(۳)

معاشیاتِ اسلام

مولانا محمد طاسین

ربٰو اور مضاربت میں فرق

(آخری قسط)

اب میں معاملۂ مضاربت کے جواز کے متعلق بحث کرنا اور بتلانا چاہتا ہوں کہ اسلام میں وہ کیوں جائز معاملہ ہے اور اس کے جواز کا فلسفہ کیا ہے؟ جیسا کہ پہلے مضاربت کی حقیقت کے بیان میں عرض کیا گیا کہ مضاربت میں مالِ مضاربت' رب المال کی ملکیت میں رہتا ہے عامل مضارب کی ملکیت میں منتقل نہیں ہوتا بلکہ اس کے پاس بطور امانت کے ہوتا ہے لہذا کسی غیر اختیاری وجہ سے اس میں نقصان و خسارہ ہو جائے تو وہ سب رب المال کو برداشت کرنا پڑتا ہے عامل اس مالی نقصان میں شریک نہیں ہوتا اور چونکہ تجارت میں جہاں عموماً نفع ہوا کرتا ہے وہاں بعض دفعہ نقصان بھی ہو جایا کرتا ہے لہذا مضاربت میں رب المال کے لئے نفع کے غالب احتمال کے ساتھ نقصان کا کمزور سا احتمال بھی ضرور رہتا ہے جسے نقصان کی صورت میں وہ برداشت کرنے کی خود پر ذمہ داری لیتا ہے چنانچہ یہ ذمہ داری اس کے لئے بصورت نفع، نفع میں شرکت اور حصہ داری کا کچھ جواز پیدا کر دیتی ہے اور پھر اس جواز کو مزید تقویت اس سے پہنچتی ہے کہ وہ عامل مضارب کو اپنے مملوکہ مال میں تجارتی تصرف کا اختیار دیتا اور یہ کہتا ہے کہ اگر کسی غیر اختیاری سبب سے تجارت میں نقصان ہو گیا تو آپ اس سے بری الذمہ ہونگے البتہ نفع کی صورت میں آپ اس کا ایک نسبتی حصہ مجھے دے دیں گے چنانچہ عامل مضارب یہ دیکھ کر کہ رب المال نے اس کو تجارت کرنے اور فائدہ اٹھانے کے لئے جو مال دیا ہے نہ وہ بالاخر پورے کا پورا واپس کرنے کی اس پر کوئی قانونی پابندی عائد کی گئی ہے اور نہ

اس پر یہ لازم ٹھہرایا گیا ہے کہ مال میں تصرف کرنے کے عوض وہ کچھ نہ کچھ مال رب المال کو ضرور ادا کرے بلکہ نقصان ہو جانے کی شکل میں اس نے پورا نقصان برداشت کرنے کا ذمہ لے رکھا ہے وہ نفع کی صورت میں اپنی محنت و مشقت سے کمائے ہوئے نفع کا ایک حصہ اپنی رضاو خوشی سے رب المال کو دے دیتا ہے جس کا لینا اس کے لئے جائز ہوتا ہے لیکن یہ ضرور ملحوظ رہے کہ یہ جواز اس درجے اور اس نوعیت کا نہیں ہوتا جس درجے اور نوعیت کا جواز اس نفع کا ہوتا ہے جسے تاجر اپنے سرمائے کے ساتھ خود محنت و مشقت کر کے کماتا ہے ایک حدیث نبویؐ کے مطابق سب سے بہتر اور پاکیزہ رزق وہ ہے جس کو آدمی خود اپنے ہاتھ اور خون پسینے کی محنت سے کما تا کھاتا ہے اور اس کی بڑی فضیلت بتلائی گئی ہے' اور ظاہر ہے کہ مضاربت میں رب المال کی طرف سے کوئی محنت و مشقت نہیں ہوتی جو نفع کا عوض بن سکتی ہو' جہاں تک نقصان کی صورت میں نقصان برداشت کرنے کا تعلق ہے چونکہ مضاربت میں اس کا وقوع بہت کم کہیں ہوتا ہے ورنہ عموماً نفع ہی ہوتا ہے' اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ معاملہ چل ہی نہ پاتا' لہٰذا نقصان کی صورت میں رب المال کی طرف سے نقصان برداشت کرنے کی ذمہ داری کوئی ایسی چیز نہیں جو محنت کی طرح ایک شخص کو دوسرے کے مال کا حق دار ٹھہراتی ہو' اسی طرح رب المال کا عامل مضارب کو اپنے مملوکہ مال میں تصرف کا اختیار دینا بھی کوئی ایسی چیز نہیں جس کی وجہ سے وہ بصورت نفع' نفع کے ایک حصہ کا مستحق قرار پاتا ہو پھر جب کہ اس میں اس کی خود غرضی اور ذاتی منفعت کی خواہش کا پہلو بھی موجود ہو کہ نفع کی صورت میں نفع کا ایک حصہ ملے گا جو اصل مال پر زائد ہو گا۔

یہاں اگر کوئی یہ کہے کہ تجارتی کاروبار میں جو نفع حاصل ہوتا ہے وہ محنت اور سرمائے دونوں کے عمل دخل سے وجود میں آتا ہے جس طرح محنت اس کو پیدا کرتی

ہے اسی طرح سرمایہ بھی اسے پیدا کرتا ہے لہٰذا کیوں نہ یہ سمجھا جائے کہ مضاربت میں ربّ المال کو جو نفع ملتا ہے وہ اس کے سرمائے سے پیدا شدہ ہوتا ہے لہٰذا وہ اس کا حق دار ٹھہرتا ہے جس طرح محنت سے پیدا شدہ نفع کا حق دار عامل مضارب ٹھہرتا ہے تو یہ کہنا اور سمجھنا کئی وجوہ سے غلط وباطل ہے' یعنی یہ سمجھنا اور کہنا کہ محنت کی طرح سرمایہ بھی مال و دولت کو پیدا کرتا ہے جہاں حقیقتِ واقعہ کے لحاظ سے غلط ہے وہاں یہ اپنے اندر گوناگوں مفاسد بھی رکھتا ہے' سرمایہ دارانہ معاشی نظام دراصل اسی غلط تصوّر و نظریئے پر مبنی ہے اور اس میں جو خرابیاں اور برائیاں ہیں وہ زیادہ تر اسی تصوّر و نظریئے کا نتیجہ اور ثمرہ ہیں اس کے اندر سود اور سودی قسم کے بکثرت معاملات کا جواز اسی تصوّر و نظریئے کی وجہ سے ہے کہ سرمایہ بھی مال و دولت کو پیدا کرتا ہے اس تصور و نظریئے کی تردید و تغلیط میں بہت کچھ لکھنا اور نہایت محکم دلائل سے اس کو غلط اور باطل ثابت کیا جا چکا ہے خود میں نے بھی اپنے بعض مضامین میں اس پر خاصی تفصیل سے بحث کی ہے اس میں بعض محقق علماء کی آراء بھی نقل کی ہیں جن کے نزدیک پیدائشِ دولت کا سبب اور عامل سرمایہ نہیں بلکہ محنت اور صرف محنت ہے' پھر چونکہ یہ تصوّر و نظریۂ نفس الامری اور بنیادی طور پر غلط اور باطل ہے لہٰذا اس کے ماننے والے آج تک یہ فیصلہ اور تعیّن نہیں کر سکے کہ سرمائے اور محنت کے اشتراک سے پیدا شدہ منافع میں فیصد کے لحاظ سے سرمائے کا کتنا حصّہ ہوتا ہے اور محنت کا کتنا حصّہ؟ اور ظاہر ہے کہ جب تک کسی مسلّمہ علمی بنیاد پر یہ طے نہ ہو کہ حاصل ہونے والے منافع کا کتنا حصہ سرمائے سے اور کتنا حصہ محنت سے پیدا ہوتا ہے ایسے معاملے میں جس کے اندر ایک فریق کا سرمایہ ہوتا اور دوسرے کی محنت ہوتی ہے فریقین کے صحیح حق کا تعین نہیں ہو سکتا اور فریقین کے صحیح حق کا تعین نہ ہو تو معاملے کی عادلانہ شکل کا پتہ نہیں چل سکتا اور فریقین کے درمیان نزاع و کشمکش کا ہمیشہ امکان رہتا ہے' سرمایہ دارانہ ممالک میں

کارخانوں کے مالکوں اور اُن میں کام اور محنت کرنے والے مزدوروں و کاریگروں کے درمیان نزاعات کا کبھی ختم نہ ہونے والا سلسلہ غور سے دیکھا جائے تو اسی مجمل و مبہم اندھے بہرے اصولی تصور کا نتیجہ نظر آتا ہے محنت کشوں کی طرف سے اُجرتوں اور تنخواہوں میں اضافے کا مطالبہ وقتاً فوقتاً سامنے آتا رہتا اور نہ پورا ہونے کی صورت میں ہڑتالوں کی شکل اختیار کرتا اور عام بدامنی و بے چینی کا باعث بنتا ہے۔

اسلام چونکہ یہ چاہتا ہے کہ معاملات عدل کے مطابق طے ہوں ہر فریقِ معاملہ کو اس کا حق ٹھیک ٹھیک اور پورا پورا ملے اور آپس کے تعلقات پُرامن و خوشگوار رہیں لہٰذا اس کے نزدیک ایسا تصور و نظریہ غلط اور باطل قرار پاتا ہے جو ظلم و استحصال کا ذریعہ بنتا اور باہمی نزاع و جھگڑے کو جنم دیتا ہو۔

اگر اسلام کے نزدیک تصور مذکور صحیح ہوتا اور وہ اس بات کو تسلیم کرتا کہ محنت اور سرمایہ دونوں نفع کو پیدا کرتے ہیں تو وہ قطعی طور پر یہ ہدایت دیتا کہ نفع کا کتنا حصہ محنت سے اور کتنا سرمائے سے پیدا ہوتا ہے کیونکہ اس کے بغیر محنت کش اور سرمائے والے کے حق کا تعیّن نہیں ہو سکتا اور یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ معاملے کی وہ صورت کیا ہے جو عدل کے مطابق اور جس پر عمل کرنا ضروری ہے، لیکن نہ صرف یہ کہ قرآن و حدیث میں کہیں اس کا کوئی ذکر نہیں بلکہ متعدد قرآنی احکام سے اس تصوّر و نظریئے کا ہی بطلان ہوتا ہے کہ سرمایہ کسی چیز کو پیدا کرتا ہے، غرضیکہ اسلام میں معاملۂ مضاربت کا جو کمزور اور مشکوک قسم کا جواز ہے اُس کی وجہ یہ نہیں کہ سرمایہ بھی نفع کو پیدا کرتا ہے اور نہ یہ کہ یہ معاملہ اسلام کے تجویز کردہ معاشی عدل کے مطابق ہے بلکہ اُس کے جواز کی وجہ صرف وہ ہے جو اُوپر عرض کی گئی اور جو بجائے خود خاصی کمزور وجہ ہے، آپ یہ پڑھ کر حیران ہوں گے کہ جہاں تک قرآن و حدیث کا تعلق ہے اُن میں مضاربت کے جواز و عدم جواز سے متعلق جزوی صراحت کے ساتھ کوئی واضح حکم موجود نہیں، بعض فقہاء نے مضاربت کے ثبوت

میں قرآن مجید کی جو آیات نقل کی ہیں غور سے دیکھا جائے تو مضاربت سے اُن کا کوئی دور کا بھی تعلق نہیں ' اسی طرح اس بارے میں جو دو حدیثیں پیش کی جاتی ہیں محدثین کے نزدیک ضعیف و ناقابلِ اعتبار ہیں ' صحابہ کرامؓ کی طرف منسوب جو اقوال و آثار ذکر کئے جاتے ہیں اُن میں سے بعض کا مضاربت سے کوئی تعلق نہیں اور بعض کا تعلق ہے لیکن احناف کے نزدیک وہ ضعیف و ناقابل اعتماد ہیں نیز اُن کا تعلق یتیموں اور اُن کے ولیوں سے ہے ' علامہ ابنِ حزمؒ اور ابنِ رشدؒ وغیرہ نے لکھا ہے کہ فقہ کے ہر باب کے لئے قرآن و حدیث سے ثبوت ملتا ہے سوائے باب المضاربت کے ' یعنی معاملۂ مضاربت سے متعلق نہ قرآنِ مجید میں کوئی آیت ہے جس میں اس کے جواز یا عدم جواز کا صریح ذکر ہو اور نہ کتب حدیث میں اس کے متعلق کوئی ایسی حدیث ہے جو صحیح اور مرفوع ہو ' اگر کسی کو اس کی تفصیل دیکھنی ہو تو میرے اُس مفصّل مضمون کو دیکھیے جو ''مضاربت کی حقیقت اور شرعی حیثیت'' ۔ کے عنوان سے ماہنامہ 'حکمتِ قرآن' میں کچھ عرصہ پہلے متعدد قسطوں میں شائع ہوا ہے ' اس کے اندر میں نے ان تمام دلائل سے تفصیلی و تحقیقی بحث کی ہے جو مضاربت کے جواز میں مختلف فقہاء کرام نے اپنی کتابوں میں پیش فرمائے ہیں اور پھر ان کی روشنی میں مضاربت کی شرعی حیثیت کا تعین کیا ہے میں نے لکھا ہے کہ مضاربت کا معاملہ نہ تو کامل طور پر ربوٰ کا سا معاملہ ہے جو قطعاً حرام اور ممنوع ہے اور نہ کلّی طور پر بیع کا سا معاملہ ہے جو صریح طور پر حلال و مشروع معاملہ ہے بمقتضائے آیت قرآنی وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰو ' جس کا ترجمہ ہے" اور اللہ نے بیع کو حلال اور ربوٰ کو حرام ٹھہرایا ہے"۔ اس آیتِ قرآنی سے جہاں صراحتہً یہ ثابت ہوتا ہے کہ معاملہ بیع اصولی طور پر ایک حلال و جائز معاملہ اور معاملہ ربوٰ اصولی طور پر حرام و ناجائز معاملہ ہے وہاں اس سے یہ بھی مفہوم و مستنبط ہوتا ہے کہ جو معاشی معاملہ بعض پہلوؤں سے معاملۂ بیع کے مشابہ اور

دوسرے بعض پہلوؤں سے معاملۂ ربٰو کے مماثل ہو اُسے نہ قطعیت کے ساتھ حلال اور نہ حتمی طور پر حرام کہا جاسکتا ہے' ایسا معاملہ ایک حدیث نبویؐ کے مطابق مشتبہ معاملات کے زمرہ میں آتا ہے جن کا نہ کرنا' کرنے سے بہتر ہوتا ہے یعنی جن سے بچنا نہ بچنے سے بہتر ہوتا ہے 'اُس حدیثِ نبویؐ سے میری مراد حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی سنن ابی داؤد وغیرہ میں مذکور وہ حدیث ہے جس کا مضمون کچھ اس طرح ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض امور و معاملات کا حلال ہونا بیّن اور بعض کا حرام ہونا بیّن اور کھلا ہوا ہے سب اُن کو جانتے اور جان سکتے ہیں البتّہ بعض امور مشتبہ ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے کہ وہ حلال ہیں یا حرام 'لہٰذا دینی احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اُن سے بچا جائے یہی بہتر ہے' جو ان سے نہیں بچتا وہ بالآخر صریح حرام میں مبتلا ہو کر رہتا ہے۔ اس حدیثِ نبویؐ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کچھ معاشی معاملات ایسے بھی ہیں جن کا حلال یا حرام ہونا واضح نہیں بلکہ مشتبہ و مشکوک ہے' فقہاءِ کرام نے ایسے معاملات کیلئے مکروہ کی اصطلاح مقرر کی ہے اور لکھا ہے کہ اُن کا ترک کرنا اُن کے اختیار کرنے سے بہتر ہے اور یہ کہ وُہ اس معنے کے لحاظ سے جائز ہیں کہ حرام نہیں' معاملۂ مضاربت کا تجزیہ کر کے بغور دیکھا جائے تو یہ بھی بعض پہلوؤں سے حلال و جائز اور بعض پہلوؤں سے حرام و ناجائز نظر آتا ہے لہٰذا بحیثیتِ مجموعی اُس کے متعلق یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہ حرام نہیں بلکہ کراہیت کے ساتھ جائز یعنی فقہی اصطلاح میں مکروہ قسم کا معاملہ ہے۔

علاوہ ازیں غور سے دیکھا جائے تو معاملۂ مضاربت میں ایک فریق یعنی عامل مضارب بچی خوشی کے ساتھ شریک نہیں ہوتا بلکہ اس مجبوری کے تحت شریک ہوتا ہے کہ اس کے پاس حسب ضرورت اپنا سرمایہ نہیں ہوتا کیونکہ اپنے سرمائے کے ساتھ کاروبار کرنے سے اسے پورا منافع ملتا ہے جب کہ دوسرے کے سرمائے کے

ساتھ مضاربت پر کام کرنے میں نفع کاایک حصہ ملتاہےاور ظاہرہے کہ پورے کے مقابلہ میں ادھورے کو کوئی خوشی کے ساتھ اختیار نہیں کرتا چنانچہ اس پہلو سے بھی مضاربت کامعاملہ اپنے اندر ایک نقص وعیب رکھتاہے جس کی وجہ سے صحیح اسلامی معاملہ نہیں' اسلام میں مثالی معاشرے کاجو تصور ہے اس میں عدل کے ساتھ ہر فرد کے لئے آزادی وعزت نفس کابھی تحفظ ہے اس میں کوئی شخص مجبوری کے تحت اور بادل نخواستہ دوسرے کے ساتھ معاملہ نہیں کرتا' اس کے اندر کسی کو کاروبار کے لئے سرمایہ کی ضرورت ہوتودوسرے مالدار افراد اُس کو مفت سرمایہ مہیا کرتے یاقرضِ حسنہ کے طور پر دیتے ہیں خود غرضی کے تحت سود پر یانفع کے ایک حصہ پر نہیں دیتے لہٰذا حقیقی اسلامی معاشرے میں مضاربت جیسے معاملات خود بخود ختم ہوجاتے ہیں' البتہ جب تک معاشرے میں وہ خاص طرح کے ذہنی و خارجی حالات پیدانہ ہوجائیں جواسلام پیدا کرناچاہتاہےاور جن کی موجودگی میں مضاربت جیسے معاملات کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی' اُس وقت تک بعض وقتی مصالح کی خاطر عبوری طور پر اُن کواختیار کیاجاسکتاہے مثلاًکسی معاشرے میں سودی لین دین کارواج ہواور خاص طرح کے ذہنی اور خارجی حالات کی وجہ سے لوگ اس کو چھوڑنےاوراس کی جگہ اسلامی عدل کے مطابق لین دین کے لئے آمادہ نہ ہوں تو درمیانے وقفہ کے لئے مضاربت کواختیار کرنااسلامی حکمت عملی کے مطابق ہوگا جب کہ اس کواصل منزل مقصود کی بجائے عبوری مرحلہ ظاہر کیاجائے تاکہ لوگ آگے بڑھنے سے رک کر نہ رہ جائیں اور اسی کو آخری منزل نہ سمجھنے لگیں کیونکہ مضاربت جیسے معاملات سے اسلام کے حقیقی معاشی نظام کی عکاسی نہیں ہوتی جو عدل واحسان پر مبنی ہے لیکن ضروری ہے کہ عبوری مرحلہ میں بھی مضاربت کواس کی حقیقی شکل میں اختیار کیاجائے تاکہ ربٰو اور مضاربت کے درمیان جوبنیادی فرق ہے وہ واضح ونمایاں ہواور عملی نتائج اس کی شہادت پیش کریں کہ واقعی مضاربت

ربٰو سے مختلف اور بہتر چیز ہے ' اُس کی ماہیت اور ہیئتِ ترکیبی میں ایسا تصرّف اور ردّوبدل نہ کیا جائے کہ وہ قابلِ عمل اور مفید طلب تو ہو لیکن مضاربت کی بجائے ربٰو بن کر رہ جائے یعنی اس میں اور ربٰو میں عملی اثرات ونتائج کے لحاظ سے کچھ فرق باقی نہ رہے جیسا کہ بدقسمتی سے آج ہمارے معاشرے میں ہو رہا ہے حکومت کی سطح پر بھی اور پبلک کی سطح پر بھی ' ایک ایسے معاملے کو جو اپنی حقیقت کے لحاظ سے مضاربت نہیں مضاربت کے نام سے متعارف کرایا اور پورے زور و شور کے ساتھ اس کے اسلامی ہونے کا پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے ' اس سلسلہ میں ایک بہت بڑی غلط فہمی یہ پھیلائی جا رہی ہے اور خاصے لکھے پڑھے لوگ اس میں مبتلا ہیں وہ یہ کہ ربٰو وسود اس وجہ سے حرام ہے کہ اس میں قرض کی اصل رقم پر اضافہ فیصد کے لحاظ سے متعین ہوتا ہے اور مضاربت اس لئے حلال ہے کہ اس میں اصل سرمائے پر اضافہ فیصد کے لحاظ سے متعیّن نہیں ہوتا اُس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے کبھی یہ اضافہ مثلاً دس فیصد ہوتا اور کبھی پانچ اور کبھی پندرہ فیصد ہو جاتا ہے گویا نفع کی شرح میں کمی بیشی ہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے معاملۂ مضاربت جائز اور حلال قرار پاتا ہے ' حالانکہ نہ ربٰو کے حرام وممنوع ہونے کی وجہ اصل پر اضافے کا تعین ہے اور نہ مضاربت کے حلال ومشروع ہونے کی وجہ اصل پر اضافے کا عدم تعین ہے ' پورے وثوق کے ساتھ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ اس کے ثبوت میں قرآن وحدیث سے کوئی دلیل نہیں پیش کی جا سکتی جب کہ اس کے برعکس قرآن وحدیث سے قطعی طور پر ثابت کیا جا سکتا ہے کہ ربو کے حرام ہونے کی وجہ وہ مطلق اضافہ ہے جو قرض کی اصل رقم پر ابتداء میں طے کیا گیا ہو مثلاً یہ طے ہوا ہو کہ قرض کی اصل رقم کچھ اضافے کے ساتھ لوٹانی ہو گی تو قرض کی یہ شکل جس میں کچھ اضافے کی شرط ہو یقیناً ربٰو اور حرام قرار پاتی ہے حالانکہ اس میں اضافے کا تعیّن نہیں ' اس بارے میں ایک تو قرآن مجید کی یہ آیت دلیل کے طور پر پیش کی جا سکتی ہے۔

وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ (البقرہ) "اور اگر تم ربٰو سے توبہ کر لو تو پھر تمہارے لئے صرف تمہارے اصل اموال ہیں ان پر زائد لے کر نہ تم اپنے قرضداروں پر ظلم کرو اور نہ وہ تمہارے اصل مال روک کر تم پر ظلم کریں۔"

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ قرض کے اصل مال پر کچھ بھی زائد لینا' حق تلفی اور ظلم کرنا ہے جو حرام و ممنوع ہے' دوسری دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مبارک حدیث ہے:

كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ نَفْعًا فَهُوَ رِبٰو - ہر قرض جو کچھ بھی نفع اندوزی کا ذریعہ بنے ربٰو ہے۔ اس حدیثِ نبویؐ میں لفظ نفعاً نکرہ ہے جس کے معنے ہیں کچھ بھی نفع خواہ اس کی مقدار کتنی ہی کیوں نہ ہو۔ یہ حدیث صحابہؓ' تابعین' تبع تابعین اور ائمۂ مجتہدین کے نزدیک برابر قابلِ اعتماد رہی اور اس سے ہمیشہ استدلال کیا جاتا رہا۔

بہرحال یہ کہنا کسی طرح درست نہیں کہ ربٰو کے حرام ہونے کی وجہ اس میں اصل پر زیادتی کا متعیّن ہونا اور مضاربت کے حلال ہونے کی وجہ اصل پر اضافے کا غیر متعین ہونا ہے بلکہ غور سے دیکھا جائے تو ربٰو کے حرام ہونے کی وجہ اس میں اصل پر اضافے اور زیادتی کا یقینی ہونا اور مضاربت کے حلال و جائز ہونے کی وجہ اس میں اصل پر اضافے کا غیر یقینی اور ظنی ہونا ہے' اور چونکہ ربٰو میں اصل پر اضافے کا وجود قانونی طور پر یقینی ہوتا ہے لہٰذا اس میں اصل کے تحفظ کی پوری ضمانت ہوتی ہے اس کے بر خلاف مضاربت میں اصل پر اضافے کا وجود یقینی نہیں ہوتا بلکہ محتمل و ظنی ہوتا ہے لہٰذا اس میں اصل کے تحفظ کی قانونی طور پر کوئی ضمانت نہیں ہوتی بلکہ ربّ المال کی طرف سے اصل میں نقصان برداشت کرنے کی ضمانت اور ذمہ داری موجود ہوتی ہے گویا ربٰو کے حرام ہونے کا سبب اس کے اندر اصل کے پورے تحفظ کے ساتھ اضافے کا یقینی ہونا اور مضاربت کے حلال ہونے

کا سبب اس کے اندر اصل کے عدم تحفّظ کے ساتھ اضافے کا غیر یقینی ہونا ہے۔

آخر میں ایک یہ بات کہہ دینا بھی مناسب سمجھتا ہوں کہ مضاربت کا معاملہ انفرادی نوعیت کا معاملہ ہے افراد ہی آپس میں اُسے اختیار کر سکتے ہیں، بعض فقہاء کرام نے مضاربت کے جواز کی ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ معاشرے کے بعض افراد کے پاس مال ہوتا ہے لیکن وہ اپنی بعض معذوریوں کی وجہ سے اس مال کے ساتھ کارِ تجارت نہیں کر سکتے اُن کے بالمقابل وہیں کچھ دوسرے افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جو تجارت کرنے کی صلاحیت و واقفیت رکھتے اور کرنا چاہتے ہیں لیکن اُن کے پاس اپنا سرمایہ نہیں ہوتا جس کے ساتھ تجارت کریں' اوّل الذکر افراد کو تجارتی عمل کی ضرورت ہوتی اور ثانی الذکر افراد کو تجارتی سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے' اور چونکہ مضاربت کے ذریعے مذکورہ دونوں قسم کے افراد کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے لہٰذا بعض افراد کی ضرورت کی خاطر اس کو جائز ٹھہرایا گیا ہے۔

جوازِ مضاربت کی اس دلیل کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس سے صرف اُن افراد کے لئے مضاربت کا پیدا ہوتا ہے جن کا اوپر ذکر ہوا ان لوگوں کے لئے نہیں ہوتا جو اپنے مال کے ساتھ خود تجارت کر کے کما کھا سکتے ہیں اور جو ضرورت کی بنا پر نہیں بلکہ اپنے مال کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے اور بڑے سے بڑے مالدار بننے کے لئے مضاربت پر مال دیتے لیتے ہیں' علاوہ ازیں اوپر پہلی قسم کے افراد کی ضرورت دراصل اس اندیشے پر مبنی ہوتی ہے کہ ان کے پاس جو مال ہے خرچ کرتے کرتے جب وہ ختم ہو گیا تو پھر وہ کہاں سے کھائیں گے لہٰذا ان کو کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہئے کہ مال بڑھتا رہے لیکن یہ اندیشہ اور اس پر مبنی ضرورت اس صورت میں ختم ہو جاتے ہیں جب معاشرے میں بیت المال کا نظام قائم ہو جو معاشرے کے نادار افراد کی معاشی کفالت کا ذمہ دار ہوتا ہے' اسی طرح دوسری قسم کے افراد کی ضرورت اس صورت میں بلا مضاربت کے پوری ہو جاتی ہے جب معاشرے کے

مالدار لوگ مذکورہ قسم کے افراد کو یونہی مفت یا قرضِ حسنہ کے طور پر مال دے دیتے ہیں جیسا کہ اسلام کی تعلیم ہے' لہٰذا مذکورہ قسم کے افراد کے لئے دلیل مذکور کی بنا پر مضاربت کا جو جواز پیدا ہوتا ہے وہ ہر حال میں دائمی قسم کا نہیں ہوتا بلکہ معاشرے کے بعض خاص حالات میں عارضی قسم کا ہوتا ہے غرضیکہ مذکورہ دلیل سے مضاربت کا جو جواز ثابت ہوتا ہے وہ معاشرے کے خاص حالات میں بعض افراد کے لئے ثابت ہوتا ہے اجتماعی اور دائمی نوعیّت کا ثابت نہیں ہوتا لہٰذا مضاربت کو اجتماعی نوعیت کا معاملہ بنانا اصولاً درست نہیں۔

جہاں تک موجودہ نظام بنکاری کا تعلق ہے اُس کی حیثیت چونکہ اجتماعی ہے لہٰذا اُسے مضاربت کی بنیاد پر تشکیل دینا' مضاربت کو اجتماعی اور عمومی معاملہ بنانا ہے لہٰذا صحیح نہیں' علاوہ ازیں نظامِ بنکاری کو مضاربت کی بنیاد پر چلانا ایسے معاشروں میں نہایت مشکل بلکہ ناممکن ہے جہاں معاشی نظام سرمایہ دارانہ ہو جیسا کہ ہمارے ہاں ہے اس لئے کہ بنک کے ادارے کا اصل مقصد قرض کے طریقہ سے زرونقدی کا لین دین ہے بنک نسبتاً کم شرح سود پر دوسروں سے قرض پر مال لیتا اور اُس سے زیادہ شرحِ سود پر دوسروں کو قرض پر مال دیتا ہے' وہ اپنے کھاتہ داروں سے یہ عہدوپیمان کرتا ہے کہ طلب کرنے پر اُن کا اصل مال پورے کا پورا اُن کو ضرور لوٹایا جائے گا' اسی طرح وہ اپنے قرض داروں سے قانونی طور پر ضمانت لیتا ہے کہ عندالطلب وہ اس کو سب کا سب واپس کریں گے لہٰذا اصطلاحِ شریعت کے مطابق اس کا یہ لین دین قرض ہوتا ہے جب کہ مضاربت میں مال کا لین دین قرض نہیں بلکہ امانت ہوتا ہے' دوسری بات یہ کہ بنک جن لوگوں سے مال لیتا ان کو یقین دلاتا ہے کہ اُن کے اصل مال پر مال کی مقدار اور مدت کے لحاظ سے اضافہ بھی ضرور ملے گا جو عموماً فیصد ماہوار کے لحاظ سے متعیّن ہوتا ہے جب کہ مضاربت کے مال پر مضارب کی طرف سے ربّ المال کے لئے کسی اضافے کی کوئی یقین دہانی اور

قانونی ذمہ داری نہیں ہوتی' اسی طرح بنک جن لوگوں کو قرضے دیتا ہے فیصد ماہوار کے لحاظ سے اضافہ لازمی ٹھہراتا ہے جو مضاربت کی صورت میں نہیں ہو سکتا' بتلایئے بنک جب مال کے لین دین میں قرض کے اصول کو اور اصل پر اضافے کی ضمانت کو ختم کر دے تو پھر کون اُس کو مال دے گا اور وہ کب تک قائم رہ سکے گا اور چلے گا سوائے اس کے کہ مضاربت کی حقیقت کو اس طرح بدل کر مسخ کر دیا جائے کہ وہ سود اور ربوٰ ہی کی ایک شکل بن کر رہ جائے عملی اثرات و نتائج کے لحاظ سے اس میں اور ربوٰ میں کچھ فرق باقی نہ رہے جیسا کہ ہمارے بعض ماہرینِ اقتصادیات نے اسلامائزیشن کے شوق میں کیا اور کر رہے ہیں۔ ●●●

بقیہ: حرفِ اوّل

۹۰۰ روپے ہے جب کہ اس میں پرنٹنگ، اسٹیشنری اور افرادی قوت کا خرچ شامل نہیں ہے۔ فیصلہ کیا گیا تھا کہ ۴۰۰ روپے طالب علم سے فیس کی شکل میں وصول کئے جائیں اور ۵۰۰ روپے کا خرچ انجمن برداشت کرے۔ آپ ہم سے اتفاق کریں گے کہ اس صورتحال کے پیشِ نظر یہ ممکن نہیں تھا کہ ہم لامحدود تعداد میں داخلہ دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کورس کی تشہیر کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا۔ صرف 'میثاق' اور 'حکمتِ قرآن' میں اعلان کیا گیا۔ اس کے باوجود ۲۱۰ داخلوں کی شکل میں انجمن پر تقریباً ایک لاکھ روپے سے زائد کے خرچ کی ذمہ داری عائد ہو چکی ہے۔ داخلہ میں بندش کی دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ داخلوں کی موجودہ تعداد ہماری توقع سے زیادہ ہے۔ اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ مزید داخلے کرنے سے قبل ہم کورس چلانے کے سلسلہ میں انتظامی امور کو مستحکم بنیادوں پر اس طرح استوار کرلیں کہ طلبہ کو شکایت کا موقع نہ ملے اور انجمن کی نیک نامی کو نقصان نہ پہنچے۔

داخلہ کی یہ بندش بہرحال عارضی ہے (ان شاءاللہ تعالیٰ)۔ اس سلسلہ میں اب تک جو تجاویز موصول ہو چکی ہیں، انجمن کے وسائل کی روشنی میں سنجیدگی سے ان کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔ جیسے ہی ہم کسی نتیجہ پر پہنچ سکے انشاءاللہ دوسرے گروپ کے داخلہ کا اعلان کر دیا جائے گا۔ ●●●